شاہ ولی اللہؒ اور ان کی بعض علمی خصوصیات

(از مولانا سید ابو النظر رضوی امروہوی

ہمارے زمانہ کا سب سے بڑا نبض شناس، اجتماعی اور سیاسی نظریات کا پیغام بر، تمدنی تجددات اور معاشرتی انقلابات کا خضر راہ، ذہنی ارتقار کی رفتار" ملاء اعلیٰ" کی مرضیات، شریعت الٰہیہ کے اسرار و رموز کا واقف، عوالم اخروی کے حقائق کا شاہد عینی، اور ماحولی موثرات سے بالاتر پرواز کر سکنے والا شہیر علم و حکمت، اگر اسلام کی تاریخ میں کوئی مدعی تجدد و اجتہاد پیدا ہو سکا ہے تو مجھے یہ کہنے دیجئے کہ شاید ہی کوئی شخصیت شاہ ولی اللہؒ دہلوی سے بازی لیجانے کی جرأت کر سکے۔ مرگ وزیست امم کا وہ کون سا پہلو اور وہ کون سا قانون ہے جس پر ہمارے مجدد، ہمارے مفکر اور ہمارے روحانی انسان نے روشنی نہیں ڈالی۔ اگر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی علمی خصوصیات پر سیر حاصل بحث کر سکنے کی فرصت نصیب ہو تو ایک مستقل تصنیف کی جا سکتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی ہی تصنیف علم و ادراک کی تشنگی بجھا سکے گی۔ لیکن چونکہ کسی نہ کسی حد تک اس موضوع پر اپنے خیالات پیش کرنے پر مجبور ہوں اس لئے چند خصوصیات ہی پر اکتفا کروں گا اور یہ کوشش کرتے ہوئے کہ مختصر سے مختصر الفاظ میں ادا کر سکوں۔

دین فطرت اور اس کی تعبیرات — اگر آپ نے مولانا ابو الکلام کا " ترجمان القرآن" اور اس کا مقدمہ دیکھا ہے تو دین فطرت کے متعلق چند نکات ضرور آپ کے مطالعہ میں آئے ہونگے۔

(۱) دین فطرت[1] وہ ہی قانون حیات ہے جس پر آپ کائنات انسانی کو عمل کرتے ہوئے پاتے ہیں۔

---

[1] دین فطرت کی یہ آزاد تفسیر اگرچہ غلط نہیں مگر ایک " خطرناک تسامح" رکھتی ہے (باقی حاشیہ صفحہ ۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

(۲) دینِ فطرت کی عمومیت گروہ بندی کو گوارا نہیں کر سکتی خواہ اس کا نام اسلام ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے

(۳) دینِ فطرت[ا] کے محاسن کسی ایک مذہب کے اجارہ میں نہیں بلکہ ہر مذہب میں یکساں ہیں۔

(۴) شرع و منہاج اور اس کے زائیدہ مخصوص فرائض و محرمات کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتے۔

ان نکات چہارگانہ میں جو "دشنۂ[۲] نہاں" ہے میں یہاں پر اسے غالب کی زبان میں "خنجر کھلا" نہیں بتانا چاہتا کیونکہ مستقل مضمون میں روشنی ڈالنے کا ارادہ ہے بلکہ صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ اس تمام سعی لاحاصل کے تار و پود جس کے لئے صدہا اوراق وقف کئے گئے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے چند سطور ہی میں بکھیر دیئے ہیں اور ایسی معجز بیانی کے ساتھ کہ خطابت کی وہ تمام سحرکاریاں جن سے مولانائے محترم نے دل و دماغ کو زخم خوردہ بنانے کی کوشش کی تھی شکست ہو کر رہ جاتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) اور وہ یہ کہ اس طرح جزئیات کی تلاش کر کے کلیات بنانے کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ہر شخص چونکہ جداگانہ تقاضا جداگانہ ماحول اور جداگانہ ذہنیت رکھتا ہے اس لئے نہ صرف اعمال بلکہ عقائد تک کی نوعیتوں میں بھی اتنی گوناگونی پیدا ہو جائے گی کہ عقیدہ و عمل کے لئے کسی پہلو کا تعین نہ کیا جا سکیگا اور اگر کیا جائے گا تو یہ اذعان و یقین نہیں پیدا ہو سکتا کہ اعمال و عقائد کی فلاں ہیئت خدا کی رضامندی کے لئے کشش رکھتی ہے اور جب یہ بنیادہی متزلزل ہوگی تو اخلاق انسانی کی تعمیر کیونکر استوار ہو سکے گی۔

[ا] یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے قرآن یگانگتِ ادیان کا قائل ہونے کے باوجود اپنے پیش کردہ دین کو دینِ حق کے نام سے یاد کرتا ہے اس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ دوسرے ادیان ایک ہی اصل رکھنے کے باوجود باطل نظریات کو جذب کر چکے اور اس لئے انھیں حق نہیں کہا جا سکتا لہذا دین کی وحدت سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ ہر دین دینِ حق ہے اور متوازی حیثیت سے انجیل، وید، توریت و زبور کا دین ایک ہوتے ہوئے بھی یہ ضروری نہیں کہ باطل نہ قرار دئیے جا سکیں۔

[۲] خدا کے لئے مجھے کہنے دیجئے اور بغیر شخصی عظمت سے خوف زدہ کئے ہوئے کہ مولانا ابوالکلام کا ترجمہ بعض علمی اور ادبی محاسن رکھنے کے باوجود ایک ایسا علمی اور مذہبی خطرہ ہے کہ کوئی شخص بغیر عمیق ترین مطالعہ کے اس کی خطرناکی کا درست اندازہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کے مغالطات، انسانی ذہن و فکر کے ان اضمحلالات پر استوار کئے گئے ہیں۔ جن سے ایک مرتبہ برکلے نے بھی "مبادیات علم انسانی" میں فائدہ اٹھایا تھا۔ ہر شخص گرفت نہیں کر سکتا۔

(ابوالنظر رضوی)

مولانا ابوالکلام نے فطرت کی تعریف نہ کرکے اور عام عاداتِ انسانی کو خضرِ راہ بناکر ایک ایسی پیچیدگی پیدا کردی تھی جو اگرچہ بظاہر بالکل سادہ تھی مگر بہت ہی پرکار۔ کردارِ انسانی کی نوعیت ہر ماحول، ہر سمت، ہر ساخت اور ہر ذہنی نشو و نما کے تحت اتنی مختلف ہو جاتی ہے کہ ہرگز کوئی اساسی نظریہ فطرت کا درست ترین تصور قائم کرنے کے لئے نہیں بنایا جاسکتا۔ ایسی حالت میں یہ دعویٰ کوئی معنی نہیں رکھتا کہ فلاں مذہب دینِ فطرت ہے۔ جب فطرت ہی کا کوئی صحیح تعین نہیں ہو سکتا تو دینِ فطرت کی تخصیص کیونکر ہو سکیگی۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا ابوالکلام خود اسلام اور دین ہی کی ایسی کشادہ تعریف کرنے پر مجبور ہوئے کہ ہر مذہب اس کے سایہ میں آجاتا ہے اور اس طرح اس قانونِ مذہبی کا ہر امتیاز مٹا دیا گیا جو قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور مخصوص روحانی اعمال و عبادات کی بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا[۵۱] میں فطرت کے معنی "انسانی صورت نوعیہ کی ہیئت اعتدالیہ نفسانیہ" بتاکر اس گتھی کو سلجھا دیا۔ قوت بہیمیہ اور ملکیہ کے درمیان اعتدال قائم رکھنا ہی تقاضائے فطرت ہی اور اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں اس ہی صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور اس ہدایت و رہنمائی میں کوئی مغالطہ اور کوئی جہل و تاریکی نہیں۔ کیونکہ اس تقسیم کا کوئی پہلو نامکمل انسانی تجربات کی کمزوریوں سے تر دامن نہیں بلکہ بلا واسطہ وحی الٰہی کا پرتو ہے۔ لہٰذا ہمیں قرآن و حدیث سے باہر فطرت کے نازک پہلو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں سب کچھ اس ہی میں ہے اور جو کچھ اس میں نہیں وہ فطرت کی غلط تعبیرات میں سے کوئی تعبیر ہوگی۔ دینِ حق، منہاج صحیح اور ملتِ بیضا وہی عبادات، معاملات اور محرمات ہیں جن کو شریعتِ اسلامیہ نے واضح کردیا ہے ورنہ اس کے سوا ہر دین دینِ باطل ہے۔ چنانچہ البدور البازغہ[۵۲] میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

---

[۵۱] ازالۃ الخفا ص ۲۵۸ - [۵۲] البدور البازغہ ص ۱۹۱۔

واعلم ان رضاء الله تعالیٰ وامرہ	اس زمانہ میں خدا کی رضامندی اور اس کا قانونِ حیات
منحصرٌ فی ھذا الزمان فی	ملتِ حنفیہ (اسلام) کے سوا کسی دوسری جگہ اور دوسرے
الملۃ الحنفیہ لا یتجاوزھا	مذہب سے حاصل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انسانیت کی
لانھا بنیت علی موافقتہ	بنیادوں پر ہی اُسے استوار کیا گیا ہے۔ اور مذہبِ اسلام
الصورۃ الانسانیہ واستخراج	کے تمام علوم اور تمام حقائق و معارف انسانیت
المعارف والعلوم منہا۔	ہی کی کتاب سے اخذ کئے گئے ہیں۔

ممکن تھا کہ کوئی شخص ملتِ حنفیہ کی تعبیر بھی اس ہی ادبی انداز میں کرتا جسے مولانا ابوالکلام نے دینِ اسلام کے لئے جائز رکھا ہے اس لئے شاہ صاحبؒ نے اس دعوی سے پہلے تمہید ہی میں ملتِ حنفیہ کی ایسی جامع تعریف[۲] کر دی جس میں کوئی دوسرا مذہب سوائے اسلام کے داخل نہیں ہو سکتا نہ صرف اتنا ہی کیا گیا بلکہ حجۃ اللہ البالغہ میں ایسے قانونِ الٰہی کے نفاذ کا فلسفہ بتا سکنے کی غرض سے جو ہر دوسرے قانون اور ہر نئے دین کو منسوخ کرنیوالا ہو ایک مستقل باب بھی تحریر فرما دیا جس کے بعد کوئی اشتباہ باقی نہیں رہ سکتا۔

---

[۱] نیک عمل اور رضائے الٰہی کے درمیان جو ناقابلِ فراموش ربط و نسبت ہے علامہ سید سلیمان ندوی (زید مجدہ) نے اس پر سیرۃ النبی جلد ششم میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے جس کے بعد یہ کہہ سکنے کا حق سلب ہو جاتا ہے کہ ہر مسخ شدہ مذہب کی پیروی عوالم اخروی میں بہترین نتائج لذت و سکون کی حامل ہو سکتی ہے۔

[۲] ملتِ حنفیہ کی تعریف کرتے ہوئے شاہ صاحب نے تین چیزوں کو بنیادی اہمیت سپرد کی ہے۔ فطرتِ انسانی کا اقتضار اور اس کی خواہشیں خواہ علم، دولت، عزت عیش سے وابستہ ہوں یا دیگر ضروریات زندگی سے۔ مطلب یہ کہ لذت و نفع کی طبعی خواہشات کا لحاظ رکھنا ہر مذہب کا پہلا فرض ہے۔ دوسرے احکامِ الٰہی کی تعمیل، شعائر اللہ کا احترام اور انبیاء کے آداب و اخلاق کی پیروی۔ تیسرے پیہم تجربات سے جن چیزوں کا نقصان پہنچانا یقینیات میں داخل ہو گیا ہو ان کی حرمت کلیۃً عقلی دنیا اور ان سے بچنا۔ پھر اس تعریف کی بعض ضمنی دفعات بھی بتائی گئی ہیں جن میں تقریباً ہر وہ نکتہ آ گیا ہے جس کے مسلمان قائل ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اس ہی منہاج کے سایہ میں جو شریعت اسلامی کے لئے مخصوص ہے اور ملتِ حنفیہ کے متوارث میں سے مثلاً دفن، کفن، نکاح، مہر و خطبہ کے ساتھ نسبی محرمات تک کی جزئیات کو ضروری قرار دے دیا ہے۔ ابوالنظر

یہیں سے گروہ بندی کا جواز بھی ثابت ہوجاتا ہے حالانکہ مولانا ابوالکلام نے اس کو "گناہ" قرار دیا تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کا اتباع۔ گروہ بندی کی اصطلاح دو معنی میں استعمال ہوسکتی ہے۔ ایک یہ کہ حق وصداقت کا ایک ایسا دائرہ تیار کرلیا جائے جس کے اندر کوئی شخص نسل و رنگ میں متحد نہ ہونے کی وجہ سے داخل نہ ہوسکتا ہو۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا عقیدہ تھا۔ دوسرے یہ کہ حق بعض مخصوص عقائد، اعمال اور عبادات میں محدود تو کردیا جائے لیکن اس کا دروازہ ہر زندہ انسان کے لئے ہر لحظہ کشادہ رہے اور مساویانہ حیثیت سے نہ صرف یہ ہی بلکہ جو برہمن بھی اس مخصوص نظریہ پر ایمان لانے سے انکار کردے وہ دروازے سے باہر بھی کردیا جائے پہلی صورت مسلمانوں سے منسوب نہیں کی جاسکتی اور دوسری قسم کی گروہ بندی کا شکست کرنا "جرأت رندانہ" سے کم نہیں ہوسکتا۔ جب حق ایک مخصوص دین اور ایک مخصوص عقیدہ اور ایک مخصوص لائحہ عمل میں محدود ہوگیا، تمام ادیان اس ایک دین کے مقابلہ پر منسوخ ہوگئے تو ہر دوسری راہ عمل کو غلط، گمراہ کن اور بے نتیجہ قرار دینا کس طرح ناموزوں ہوسکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفا دونوں میں اس چیز کا اقرار کیا ہے کہ دین ایک ہی ہے۔ شرع و منہاج میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ مگر اس اختلاف کو اہمیت نہ دینا اور ہر دین کو دینِ الٰہی کا نام دے کر "مساوات مذہب" کا ادعا سنجیدہ تحقیق اور عمیق مطالعہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ شاہ صاحب ازالۃ الخفا صفحہ ۲۵۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

شریعتِ الٰہیہ ایک ہی ہے اور ناقابل تغیر۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے	شرع واحد است تغیر و تبدل را
کہ کسی زمانہ میں اس کی تعیین کردی جائے جیسے کہ ایک	راہ نیست لیکن قابل آں است
طبیب کوئی خاص نسخہ (یعنی مخصوص اجزا کے ساتھ) عمر	کہ بموضع خاص مقید کنند مانند آں کہ
زمانہ اور آب و ہوا کا لحاظ رکھتے ہوئے تجویز کرتا ہے حالانکہ	طبیب برائے صحت آں آدمی نسخہ خاص
بعض اعتبارات سے دوسری ادویہ کا بھی انتخاب کیا جاسکتا	بعد ملاحظہ سن و فصل و بلد معین می
تھا اسی کا دوسرا نام شرع و منہاج ہے۔ قرآن کہتا ہے	نماید از میان چندیں محتملات و ایں را

شرعۃ ومنہاج گویند "لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجاً" — "تم میں سے ہر گروہ کے لئے ہم نے حسب حال الگ الگ شرع ومنہاج بنائی ہے۔"

اس اجمال کی اگر آپ تفصیل دیکھنا چاہتے ہوں تو حجۃ اللہ البالغہ کا باب ۵۶ صفحہ ۸۸ دیکھئے جس میں شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ اصل دین کے ہر زمانہ میں ایک ہی ہونے کے باوجود شریعت ومنہاج کا اختلاف کیوں ہوا یا باب ۵۷ دیکھئے جس میں ہر زمانہ کو جدید شریعت سپرد کرنے کا فلسفہ بتایا گیا ہے یا وہ باب ۵۸ دیکھئے جس میں شریعت ومنہاج کے خلاف کرنے والے پر مواخذہ کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ وسعت تفصیلی بحث کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے اس سلسلہ میں "باب اسباب المواخذۃ علی المنہاج" کا صرف ایک فقرہ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

والحق یعلم ان القوم لا یستطیعون	خدا جانتا ہے کہ کوئی جماعت دین پر اس وقت تک
العمل بالدین الا بتلک الشرائع	عمل نہیں کر سکتی جب تک کہ ایک مخصوص قانون یا
والمناھج ویعلم ان ھذہ الاوضاع	شریعت پیش نہ کی جائے اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ
ھی اللتی یلیق ان یکون علیھم۔	ہی مخصوص ہیئات اعمال وعبادات کی اس قابل ہیں
فتندرج فی عنایتہ الحق	کہ قوم پر فرض کردی جائیں تاکہ قوم ہمیشہ خدا کی
بالقوم ازلاً۔	نوازشات میں گم رہ سکے۔

اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ ترجمان القرآن کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی کیا رائے ہے یہی وہ حقیقت رسی اور علمی خصوصیت ہے جس کو میں پیش کر سکنے پر فخر کرتا ہوں۔

تجرد حقائق اور ان کی جسمانیت

مجدد الف ثانی رحمہ نے بعض لطائف انسانیہ کے مادی شکل قبول کر سکنے پر ایک ہلکی سی روشنی ضرور ڈالی ہے لیکن شاہ ولی اللہ صاحب ہی نے اس مسئلہ کو علمی بلند پایگی کی ہر عظمت سے دی۔ جن حقائق کے مادی یا روحانی ہونے کے متعلق آج تک اختلاف چلا آتا تھا انھیں اس انداز

کردیا کہ دونوں گروہ مطمئن ہوسکتے ہیں۔ یہاں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر بحث نہیں کرسکتا اس لئے صرف چند حقائق بطور تمثیل پیش کرتا ہوں۔

جلوۂ طور کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو طور پر خدا شعلہ اور آگ کی صورت میں نظر آیا حالانکہ خدا کا شعلہ کی مادیت جذب کرلینا ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ میں نے بھی اپنے ایک شعر میں یہی سوال پیدا کیا تھا اور شاید دنیائے شعریت میں پہلی مرتبہ یہ آواز بلند کی تھی کہ

حسنِ ازل تھا، شعلۂ ہستی نما، مگر
جلووں کو کس نے طور کے قابل بنا دیا (ابوالنظر رضوی اختر)

شاہ صاحب نے جواب دیتے ہوئے بتا دیا کہ کوہ طور پر جو کچھ نظر آیا وہ خدا نہ تھا بلکہ عالم مثال کی ایک قوت تھی جو نہ مجرد کہی جاسکتی ہے نہ محسوس اور جسمانی۔ اور جس میں یہ قابلیت ہے کہ نور، رنگ اور شکل کا عکس قبول کرکے اسی بھیس میں دنیا کے سامنے آسکے۔ مثالی اجسام کی حقیقت بتاتے ہوئے تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۱۲۳ پر فرماتے ہیں۔

وبالجملۃ فاذا ارتبطت القوۃ الکلیۃ المثالیۃ بشئ من اجزاء الارض والسماء یکون هنالك حالۃ مترددۃ بین الناسوت والمثال فیظهر فی الناسوت صبغ ولون ووضع وشکل ومقدار غیر انه لا یقبل الخرق والانفکاك ما دامت تلك النظرۃ باقیۃ من ذلك نار موسیٰ علی نبینا وعلیه الصلوۃ والسلام فی

خلاصہ یہ کہ جب عالم مثال کی روحانی قوت زمین و آسمان کی کسی چیز سے وابستہ ہوجاتی ہے تو اُس چیز میں جسمانی اور روحانی دونوں پہلو پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ اس کائنات مادی میں جسمانیت کی تمام خصوصیات مثلاً رنگ، وضع، شکل اور مقدار جذب کرلیتی ہے۔ سوائے اس خصوصیت کے کہ اس کا گریبان چاک نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ قوت مثالیہ کی "نگاہِ کرم" اسے باقی رکھنا چاہتی ہو۔

الحدیث ان الجنة والنار — جلوۂ طور کا راز یہی تھا اور اس فرمان نبوی کا بھی جس
ظهرتا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم — میں بتایا گیا ہے کہ میں نے جنت اور دوزخ کو قبلہ کی
بینہ وبین جدار القبلة فاحس — دیواروں کے درمیان دیکھا جنت کی تازگی اور دوزخ
بروح الجنة وسموم النار۔ — کے گرم تھپیڑوں کا احساس کرتے ہوئے۔

اس ہی طرح معراج کے متعلق بھی حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۳۸۷ پر اپنی علمی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وکل ذلک بجسدہ صلی اللہ علیہ وسلم — مسجد اقصیٰ اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک جانا جاگتے
فی الیقظة ولکن ذالک فی موطن — میں جسم نبوی کے لئے پیش آیا۔ لیکن یہ سب کچھ ایک
هو برزخ بین المثال والشهادة جامع — ایسے مقام پر ہوا کہ جسے عالم مثال اور کائنات مادی
لاحکامهما فظهر علی الجسد احکام الروح — کا برزخ کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہاں دونوں پہلو پائے
وتمثل الروح والمعانی الروحیة — جاتے تھے۔ جسم میں روح کی لطافت آگئی اور حقائق
اجسادا ولذلک بان لکل واقعة — روحانیہ مجردہ میں جسم کا انداز پیدا ہوگیا۔ اس ہی سے
من تلک الوقائع تعبیر۔ — معراج کے ہر واقعہ کا حقیقی مفہوم ظاہر ہو جاتا ہے۔"
وقد ظهر لحزقیل وموسی وغیرهم — حضرت حزقیل و حضرت موسیٰ کو بھی معراج سے
علیهم السلام نحو من تلک الوقائع — مشابہ واقعات پیش آئے تھے اور دیگر اولیائے کرام
وکذلک لاولیاء الامة لیکون علو — کو بھی تاکہ جس طرح عالم خواب میں روحانی مدارج
درجاتهم عند اللہ کما لهم فی الرؤیا۔ — کے اندر اضافہ ہوتا تھا بیداری میں بھی ہو سکے۔

لیکن صرف اس حد تک بیان کرنے سے معراج کا عقدہ حل نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے تفہیمات الٰہیہ جلد ثانی صفحہ ۲۱۶ پر اس مسئلہ کو واضح تر کر دیا گیا۔ فرماتے ہیں۔

سر المعراج اعلم ان رسول اللہ — معراج کا راز اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تجسدت — صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانی کمالات نے ان کے پاک بدن
کمالاتہ الانسانیۃ علی هیئۃ بدنہ المطہر — کی صورت اختیار کرلی تھی اوران کے حیوانی کمالات
وتجسدت کمالاتہ الحیوانیۃ علی هیئۃ — نے براق کی۔ خدا نے اپنی اس نعمت کو مکمل کرنے کیلئے
البراق واتم اللہ علیہ نعمتہ فجعلہ — اسکوایک ایسے مستقل نظام میں تبدیل کردیا جو آسمان سے
من النظام المرتب النازل من السماء — زمین کی طرف نازل کیا جارہا ہو۔ اورادھر رسول اللہ
الی الارض وحصل لہ صلی اللہ — صلی اللہ علیہ وسلم میں آسمانی فرشتوں سے مناسبت
علیہ وسلم مناسبۃ مع الملائکۃ — تامہ پیداکردی جس کی بدولت ان میں تمام روحانی
السماویۃ فادی حق المناسبۃ — حقائق تک رسائی حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہوگئی
واسری الیهم۔ — اور وہ ان تک پہنچ سکے۔

اتمامِ نعمت اور نظامِ مرتب کا شاید باہمی ربط پوری طرح ذہن نشین نہ ہوسکا ہو اس لئے اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ شاہ صاحب کا مدعا یہ ہے کہ جو کچھ پیش آیا وہ تخیل کا فریب نہ تھا اور حقیقت میں تفاوت صرف نظم و عدم نظم سے پیدا ہوتا ہے۔ توہمات بھی صدہا اشکال آنکھوں کے سامنے لاتے ہیں اور کائنات مادی کے حقائق بھی۔ لیکن ان دونوں میں فرق محض اس ہی پہلو سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مستقل نظم و نسق کے امتیاز سے تہی دامن ہے اور دوسرا بہرہ اندوز۔ اس ہی اعتبار سے معراج بھی ایک مستقل حقیقت تھی جسے کوئی شخص حتیٰ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانی قوتوں کے ذریعہ تخیلی رجحانات کو تبدیل کرکے مٹا نہیں سکتے تھے قرآن نے بھی معراج کو حقیقت ثابت کرنے کے لئے یہ ہی پہلو اختیار کیا ہے۔ "جو کچھ رسول اللہ ؐ نے جاتے ہوئے دیکھا تھا وہ ہی واپس ہوتے ہوئے دیکھا" نومی تخیل میں اس پہلو کا کوئی امکان نہیں۔ تفہیمات الٰہیہ کی جلد اول صفحہ ۱۴۶ پر شاہ صاحب نے یہ بھی بتادیا ہے کہ حشر اجساد بھی معراج ہی کے انداز پر ہوگا۔ یعنی عالم ناسوت (مادی) اور عالم مثال دونوں کا پہلو لئے ہوئے شاہ صاحب نے اس "برزخ ہستی" کو متعدد مقامات پر دلائل کے

سمجھایا اور اس سے ایسے نکات حل کیے ہیں جن میں آج تک علماء الجھے ہوئے تھے مثلاً موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ہر فلسفی اور ہر عالم نے اس پر روشنی ڈالی ہے مگر میں دعوی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی حل شاہ صاحب سے بہتر نفسیاتی طمانیت کا باعث نہیں ہوسکتا۔ افسوس ہے کہ میرا موضوع ان تفصیلات کو گوارہ نہیں کرسکتا یہ نظریہ موت اور قرآن" کے مضمون میں پیش کرسکوں گا۔ بہرحال کمالات کے جسمانی شکل اختیار کرسکنے سے جس حد تک علمی مسائل کو حل کرنے میں شاہ صاحب نے کام لیا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص نے لیا ہوگا۔

جرأتِ علمی | علمی جرأت کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ثبوت ہمارے اکابر پچھلی صدیوں میں نہ دے چکے ہوں۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جن حضرات کی روحانی اہمیت دنیائے اسلام نے متفقہ حیثیت سے تسلیم کرلی ہے ان کی طبعی اور غیر طبعی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی بھی ہر اس شخص نے کوشش کی ہے جس کو محقق اور بے باک محقق یقین کیا جاسکتا تھا۔ اور اس کوشش کا دائرہ اس حد تک ان ہی حضرات کے ہاتھوں وسیع کردیا گیا تھا کہ ہر معمولی سی معمولی تاویل بھی بہترین دلائل میں شمار کرلی گئی۔ "حسن ظن" نے علمی جرأت کو یہاں تک مجروح کردیا کہ حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے لئے دلائل کا جو معیار، وزن اور پایہ مقرر تھا وہ بھی ٹھکرادیا گیا اور ایک حق پرست کے لئے حق گوئی کا ہر دروازہ بند کردیا گیا۔ تاریخی حقائق کے سایہ میں سچی سے سچی تنقید بھی توہین اور تنقیص کی فہرست میں درج کردی گئی اور اس طرح شخصی عظمت کے احساس و تاثر نے ہر علمی جرأت کو پامال کردیا۔ لیکن اس کے برعکس حضرت شاہ صاحب کا حال یہ ہے کہ اظہار حقیقت کی راہ میں وہ برملا کہنے سے کبھی نہیں جھجکتے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شاہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی، علم نبوت و ولایت کا خازن و حامل یقین کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی سیاسی امور میں وہ ان کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسا مدبر تسلیم نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں۔

ونحن نعلن بان علياً رضی اللہ عنہ — میں بہ بانگ دہل یہ کہدینا چاہتا ہوں کہ حضرت علیؓ

مع انہ ممن ورث ھذا الفضل العظیم — باوجود اس کے کہ اس فضل عظیم (حفظ و تلقین اور ارشاد)

ایضاً لو کان مکان الشیخین — کے وارث تھے لیکن اگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ
لما فتحت البلاد و لما شاع — میں ان کی بجائے ہوتے تو نہ فتوحات کا طوفان
الاسلام[51] — اٹھ سکتا نہ اسلام کی اشاعت ہو سکتی۔

لیکن یہاں ایک شبہ کو صاف کر دینا چاہتا ہوں تاکہ کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو۔ شاہ صاحب نے اس راز کو کہ حضرت علیؓ کیوں کامیاب نہ ہو سکے کئی جگہ تحریر فرمایا ہے۔ تفہیمات الٰہیہ[52] میں تحریر فرماتے ہیں۔

والوصی لیس یجب ان یکون خلیفۃ — وصی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے یہ ضروری
فی الارض لانہ خازن علومہ — نہیں کہ زمین کی خلافت اسے دی جائے کیونکہ وہ
والداعی لامتہ لیس لہ الا — علوم الٰہیہ کا امانت دار اور پیغمبر کی امت کو خدا کی
ذالک۔ — طرف بلانے والا ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

ومنھا انی رأیت ارواح اھل البیت — ان ہی مشاہدات و محسوسات میں سے یہ ہے کہ میں نے حظیرۃ
فی حظیرۃ القدس باتم وجہ — القدس میں اہل بیت کی ارواح کو بہت اچھی جگہ اور
واجمل وضع علمت ان منکرھم — بہترین صورت میں دیکھا اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ ان کی
والمشاجر لھم فی خطر عظیم لکن — عظمت سے انکار کرنے والا اور ان کو برا کہنے والا سخت
وجوھھم منصرفۃ الی الباطن و — خطرہ میں ہے لیکن ان کے چہرے باطن کی طرف ہیں
الخلافۃ لا یستتب[53] الا لمن کان — اور استحکام خلافت اس ہی کو نصیب ہو سکتا ہے جس کا
وجھہ منصرفاً الی الظاھر — چہرہ ظاہر کی طرف ہو (یعنی جس کی استعدادات کائنات
فبھذا السبب طلبوا الخلافۃ — مادی کو تابع اور مسخر کر سکتی ہوں) اس ہی وجہ سے جب

[51] الخیر الکثیر خزانہ سابعہ صفحہ ۹۰۔ [52] تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ ص ۱۳۲۔ [53] استتب۔ الامر استقام و استمر۔ المنجد ص ۳۹

وما نازعوها على وجهها و كذلك كل من لم يرسخ قدمه في حظيرة القدس۔

کبھی اہل بیت نے خلافت حاصل کرنا چاہی وہ پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے۔ ایسے ہی جس شخص کی توجہات بھی تمام تر حظیرۃ القدس کی طرف ہی متوجہ ہونگی وہ عملی دنیا میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

(تفہیمات ج ۱ ص ۱۰۷)

اس سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ شاہ صاحب حضرت علیؓ کی نسبت ایک ایسی مستقل حقیقت کو پیش کرنا چاہتے ہیں جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی حضرت حسینؓ سے بہت عرصہ پہلے کہہ چکے تھے اور جو ان کے ذہن نشین نہ ہوسکی تھی۔ شاہ صاحب حضرت علیؓ کو فاتح وخاتم ولایت، عالم وزاہد اور بہترین سپاہی یقین کرتے ہیں مگر بہترین جنرل تسلیم نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک انسان علمی استعداد رکھتا ہو لیکن اس میں عملی شرارے نہ ہوں۔ یہ فطری استعداد پر موقوف ہے اور استعداد مصالح الہٰیہ کی زائیدہ۔ اس لئے نہ استعداد سے زیادہ کی توقع کرنا چاہیے اور نہ کم پر شکایت۔ خود شاہ صاحب ہی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

ہر کسے را حضرت حق تبارک و تعالیٰ بر ہیئتے مجبول گردانیدہ صفائی فطرت آں شخص بجز ازیں نیست کہ بر ہماں ہیئت باقی ماند۔ . . . ور بما بہ ذکاء و دقت ذہن موصوف باشد و کمال وے رسوخ فی العلم باشد و کذلک کان علی رضی اللہ عنہ۔ . . . وبالجملہ تبدیل در خلق اللہ محال است و کمال ہر کسے بروفق جبلت او تواند بود و غالباً

خدا نے ہر شخص کو ایک مخصوص فطرت دی ہے۔ فطری استعدادات کا ارتقا صرف اس ہی طرح ہوسکتا ہے کہ فطری استعدادات سے ہی کام لیا جاتا رہے . . . . کبھی ذکاوت، باریک بینی، فطرت کا خمیر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کا کمال یہی ہے کہ علم و علمیات میں بہترین ملکہ حاصل کرے جیسے کہ حضرت علیؓ تھے۔ . . . . . خلاصہ یہ کہ پیدائشی محاسن وقبائح کو تبدیل کردینا بالکل ناممکن ہے۔ ہر شخص اپنی فطرت کے سایہ ہی میں ترقی کرسکتا ہے۔ شاید جو لوگ

نایابی طالبان بہ سبب آں است	اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے اس کی وجہ یہی
کہ مجبول بہ صفتے باشند و کمال خود را	ہوگی کہ وہ پیدا تو کئے گئے تھے ایک مخصوص استعداد
در صفت دیگر طلبند و ایں محال	کے تحت اور انھوں نے ترقی حاصل کرنا چاہی دوسری
است ۔	استعداد میں اور یہ چیز ناممکن تھی ۔

اس سے زیادہ غالباً روشنی ڈالنے کی ضرورت نہ ہوگی اس لئے اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں ۔ اور ذمہ دارانہ طور پر یہ باور کراتے ہوئے کہ جرأت علمی کے عنوان میں جو کچھ نظر سے گذرا ہوگا چاہے میرے ہی الفاظ میں ادا ہوا ہو لیکن شاہ صاحب ہی کے ضمیر کی آواز ہے ۔

قیامت اور عدمِ محض

علمائے اسلام کے نزدیک یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ قیامت کے دن ساری دنیا یکسر فنا ہوجائے گی ۔ کائنات کا صرف نظام ہی منتشر نہ ہوگا ۔ بلکہ عدم محض ہر مادی ذرہ پر اس طرح چھا جائے گا "کہ سب کچھ کے بعد کچھ بھی نہ رہیگا" مجھے اس نظریہ سے ہمیشہ اختلاف رہا ۔ میں اپنی کم مائیگی کے باوجود جہاں تک قرآن کا مطالعہ کرسکا اس کے لحاظ سے کہہ سکتا ہوں کہ قرآن کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں لیکن شاید چند ہی محققینِ اسلام کی ہزار سالہ تاریخ میں ایسے گذرے ہوں جنھوں نے اس غلط اور یکسر غلط نظریہ کی تردید کے لئے زبان و قلم کو جنبش دی ہو ۔ شاہ صاحب جو اجتہاد و تجدید کی بہترین استعداد رکھتے تھے اس غیر علمی نظریہ کو برداشت نہ کرسکے اور ایک ضمنی بحث میں بتا دیا کہ

فیستعد العالم	ساری کائنات ایک ایسے زبردست حادثہ کے لئے تیار ہوجائے گی جس
لواقعة عظیمة	کا تعلق فضاء سے ہوگا (یعنی کواکب کا باہمی تصادم جو سیارگان کی غلط رفتار
من وقائع الجو	سے ہوگا) اور جس سے تمام انسان، حیوانات اور پہاڑ فنا ہوجائیں گے اور
فتھلک البشر	ہر عنصر اپنے مرکز کی طرف واپس ہوجائے گا (ترکیب عنصری باقی نہ رہیگی)
والموالید ویعود	پھر ایک نامعلوم زمانہ کے بعد فضاء سے بارش ہوگی (رطوباتِ کیمیا وی یہ

كل عنصر لمحله ثم يجي مطر و	(اور غازات) اور معتدل ہوائیں چلنا شروع ہوں گی (وہ لطیف عنصر
اعتدال هواء وينفخ في	جو غازات کو پھیلا سکتا ہو) جس سے زمین میں دوبارہ تازگی نشوونما اور
الارض نبابها فتقوم	جوانی کی روح پیدا ہونے لگے گی اور جو لوگ مرگئے تھے ان کے جزو ہائے
الفس ماتت [1]	حیات حرکت کرنے لگیں گے حتیٰ کہ دوبارہ کائناتِ انسانی زندہ ہوجائیگی

شاہ صاحب نے اس مفہوم کو کئی جگہ اندازہائے بیان میں ادا فرمایا ہے۔ ایک جگہ ہے۔

تخريب القيامة محاذية لنظام العالم	نظام عالم کو فنا کرنے اور اس کی ترتیب وتناسب
ومفسدة لترتيبها [2]	کو خراب کرنے کے لئے قیامت آجائے گی۔

کائناتِ ارضی میں دوبارہ نشوونما کی استعداد اور حیاتِ انسانی میں پچھلے خط وخال نمایاں ہونے کے اسباب وعلل ایک جگہ بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں۔

بسبب بعض الاسباب المعدة	قانون تعمیر وتخریب کے بعض ایسے اسباب وعلل
من الكون والفساد [3]	کے تحت جو استعدادات کو بیدار کرسکتے ہیں۔

ان سب عبارات سے شاہ صاحب کا یہی نظریہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات یکسر اور ہر اعتبار سے فنا نہیں ہوگی بلکہ اس کا نظم ونسق تباہ ہوجائے گا۔ کتابِ الٰہی نے بھی ہر جگہ اس ہی طبعیاتی نظریہ کی تائید کی ہے کہیں اجرام سماوی کو "وردۃ کالدھان" (سرخ تلچھٹ) بتاتے ہوئے اور کہیں پہاڑوں کو "ھباءً منبثاً" (ذراتِ پریشان) یا "کثیباً مھیلا" (پگھلا ہوا تانبہ) کا انداز سپرد کرتے ہوئے اور یہ ہی وہ نظریہ ہے جس تک ہمارے علماء میں سے بہت کم حضرات پہنچ سکے ہیں۔

لیکن دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ شاہ صاحب کے اس علمی نہیں بلکہ وجدانی نکتہ کو بھی پیش کردیا جائے جس کا علم نہ زمین کو دیا گیا نہ آسمان کو یعنی کائنات مادی کا ہر اعتبار سے ایک لمحہ کے لئے یکسر فنا ہوجانا

---

[1] تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۶۱۔ [2] الخیر الکثیر ص ۱۱۲۔ [3] ایضاً ص ۵۵۔

چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ثم یوشک ان یسری الفساد فی جمیع اعضائہ فیضمحل الجمیع ولا یبقی الا العرش والماء والریح العدم یخفقها خفقا بعد خفق بالعرش بعرشیة والماء بمائیة معدوم فی کل آن باق بحسب الامر الواجب الذی هما من ظلالہ فلا یبقی حینئذ لا عنصر ولا سماء ولا خیال ولا ادراکہ فیکون مملکة الوجود شاغرة ثم بعد آن واحد من الخلو التام۔ یبدأ الرحمن بجودہ فیخلق سماءً وارضاً کالذین کانا فحساب هذه الدورة مما یمتنع من الانسان بل الفلک ایضاً ولیس احادیث الدورة السابعة مذکورة ولا مرموزة الیها لا فی

پھر بہت جلد کائنات کے تمام پہلوؤں میں تخریبی قوتیں پیوست ہو جائیں گی یہانتک کہ اپنی ترکیبی شکل میں عرش، پانی اور ہوا کے سوا کچھ نہ رہیگا اور ان دونوں کو بھی فنا کی بادِ سموم رفتہ رفتہ مٹاتی رہیگی۔ نہ عرش میں عرش کی کوئی خصوصیت رہیگی نہ پانی میں پانی کی ہر اس لمحہ میں جو آج تک اس قانون الٰہی کے مطابق جس کا عرش اور پانی ایک سایہ تھے باقی رہ گیا تھا عدم کا راستہ ہی ہموار ہوتا چلا جائیگا۔ نہ کوئی عنصر باقی رہیگا نہ آسمان، نہ قوتِ تخیلہ، نہ قوتِ عقلیہ غرضکہ ہستی کی محفل میں کوئی شمع نہ رہے گی پھر بالکل کچھ نہ رہنے کے ایک ہی لمحہ بعد رحمتِ وجودی اپنی نوازش سے کائنات کو اس ہی رنگ میں دوبارہ پیدا کر دے گی جیسے کہ وہ یکسر فنا ہونے سے پہلے تھی۔ اس زمانہ فنائیت کا اندازہ ان حقائق میں سے ایک ہے جن کا علم انسان کو نہیں ہو سکتا، نہ عقول فلکی یا ملائکہ کو اس زمانہ کی باتیں معلوم نہ صاف صاف کہیں لکھی ہوئی ہیں نہ اشارۃً وکنایۃً ہیں، نہ آسمان پر، نہ زمین پر، نہ قوت متخیلہ کی پرواز وہاں تک ہو سکتی ہے، نہ عقل کی، نہ کوئی ایسی بات ہے

السماء ولا فی الارض لا فی خیال	جو ان رازہائے دروں پردہ کو بتا سکے، نہ کوئی ایسا دل ہو
ولا فی دراکۃ ولا لسان یعبر	جس میں اس چیز کا خطرہ تک پیدا ہو سکے۔ پس چونکہ
عنہ ولا جنان یخطر فیہ انما	میں اسم رحمٰن (جو تمام فعلیات الٰہیہ کو احاطہ کئے
اضمحللنا نحن فی الرحمان فہمنا	ہوئے ہے) کی تنویرات میں گم ہو گیا تھا (گویا کہ اس
فہمنا بھذا السر۔ ۱؎	ہی نور کا ایک برق پارہ ہوں) اس لئے کچھ تھوڑی سی بات اس راز کے افشاء میں بھی کہی

یہ نکتہ چونکہ انسانی ادراکات و علوم سے دور تر ہے اس لئے اگرچہ ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا لیکن اگر پھر بھی اسے تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے علماء کے نظریہ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ ان کے نزدیک قیامت کے روز ہی سب کچھ فنا ہو جائے گا اور ایک لمحہ نہیں بلکہ کروڑوں سال کے لئے تا آنکہ حشر برپا ہو اور پھر دوبارہ زندگی کائنات کے ہر رگ و ریشہ میں دوڑنے لگے اور شاہ صاحبؒ کے نزدیک فنائیت اگر طاری بھی ہوئی تو قیامت سے کروڑوں سال بعد اور بہت ہی آہستہ آہستہ ہو گی اور وہ بھی صرف ایک لمحہ کے لئے۔

یہاں شاید ایک علمی تائید کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہو گا۔ شاہ صاحب کا نظریہ جو قرآن و حدیث کے نظریات ہی کا پرتو ہے۔ دوبارہ زندگی کا آغاز فضائی مؤثرات کے ذریعہ بتاتا ہے۔ مغربی محققین اگرچہ ابھی تک کسی آخری فیصلہ تک نہیں پہنچ سکے لیکن ڈاکٹر ارہینیوس جو یورپ کا ایک ممتاز کیمسٹ ہے۔ مبدء حیات کو فضا ہی سے وابستہ سمجھتا ہے۔ تعجب ہے کہ ہمارے زمانہ کا وہ مجدد جو آج سے تقریباً تین سو برس پیشتر کی تحقیقات سے آشنا تھا اور جس حدیث پر اس نظریہ کی بنیاد قائم کی جا سکتی ہے اس کو بھی "ان صح" سے زیادہ وقعت نہیں دیتا پھر بھی اتنی نازک تحقیق تک رسائی حاصل کر سکا جس سے بلند تر پرواز کر سکنا آج بھی ماہرین کیمیا کے لئے ناممکن ہے۔ کتاب الٰہی نے دوبارہ زندگی کو بارش سے روئیدگی سبزہ کے ذریعہ ضرور سمجھایا ہے مگر اس کو

۱؎ تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۴۶۔

ایک علمی تحقیق کا مرتبہ دینا شاہ ولی اللہ جیسے مجدد کی ہمتِ علمی ہی کے لئے ممکن تھا ورنہ کون ہے جو قرآن کے ایک ادبی انداز کو علم کیمیا کا بہترین نظریہ قرار دینے کی جرأت کرسکے۔ شاید آپکو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ قیامت جس کے شور سے فضا گونج رہی ہے اس کا فلم شاہ صاحب مکاشفہ نہیں بلکہ احساسِ باطنی کی حد تک دیکھ چکے ہیں کسی صاحب نے دریافت کیا تھا کہ ھل تعلم بالوجدان متی تفنی الافلاک؟ (کیا آپ وجدان اور احساس باطنی کے ذریعہ جانتے ہیں کہ نظامِ فلکی کب تباہ ہوگا۔ جواب میں شاہ صاحب کہتے ہیں۔

قلت نعم اعلم ذلك اجمالاً ولا اعلم تفصيلاً كمثل من رأى رؤيا و نسيها فاذا رأى التعبير تذكر ما نسي و بالجملة اذا في الحساب الذي يتوسل اليه اهل الارض باستدلالهم وفي الحساب الذي اودع في جبلة الافلاك جاءت القيامة العظمى ففي الافلاك و العناصر جميعها - اما هذه الداهية الكبرى التي سوف تجيئ بعد ثلاثة مائة واربع مائة من يومنا هذا فانما يكون الانفطار هناك بالغمام ؎

میرا جواب یہ ہے کہ ہاں میں تھوڑا بہت جانتا ہوں سب کچھ نہیں جیسے کسی نے خواب دیکھا ہو اور بھول گیا ہو۔ لیکن جب خواب کی تعبیر اس کے سامنے آجائے تو جو کچھ بھول گیا تھا وہ بھی یاد آجاتا ہے خلاصہ یہ کہ وہ قانون حیات جس سے زمین پر رہنے والے فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ تناسب و نظام جو آسمان کی فطرت میں ودیعت کردیا گیا ہے باقی نہ رہیگا تو سب سے بڑی قیامت برپا ہوجائے گی اور افلاک و عناصر سب کے سب فنا ہوجائیں گے۔ یہ سخت مصیبت جو بہت جلد یعنی آج کے دن سے تین سو چار سو برس بعد آنے والی ہے اس کی شکستگی و ریختگی بادل کی شکل میں ہوگی۔

؎ قرآن کے اس نظریہ غمامی کا مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری کائنات شکست و ریخت کے بعد لطیف بخارات جن کے اندر رقیق غازات میں تبدیل ہوسکنے کی استعداد باقی رہیگی۔ ایک طویل ترین زمانہ کے بعد یہ فضائی بخارات، رقیق غازات (گیس) میں تبدیل ہوکر دوبارہ زندگی کی نشو و نما کرسکیں گے اور غازات کو حیات اندوزی اس طرح تخریب کو تعمیری ارتقار کی بلندیوں تک پہنچا سکے گی۔ ابوالنظر رضوی۔ ؎ تفہیمات ج ۱ ص ۱۶۲

اگر یہاں تک پہنچ کر میں ایک پہلو کو روشنی میں لانے سے گریز کروں تو شاید اپنے ناقدانہ فرض کو انجام دینے سے قاصر رہوں گا۔ شاہ صاحبؒ کے وجدانی مشاہدات سے انکار نہ کرتے ہوئے ضروری ہے کہ علم و مکاشفہ کی حدود الگ الگ محسوس کر لی جائیں تاکہ کوئی مغالطہ سنگِ راہ نہ ہوسکے۔ شاہ صاحبؒ کا یہ خیال کہ قیامت تین سو چار سو برس کے بعد آجائے گی اور اس کا نتیجہ ساری کائنات کو لطیف غازات (گیسز) یا بادل کی شکل میں تبدیل کر دینے پر ختم ہوگا۔ وجدان و مکاشفہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کی بنیاد چند احادیث پر ہے اور ان کے مفروضہ مطالب پر کائنات کا لطیف غازات میں تبدیل ہوجانا تو عقل و سائنس سے بھی قریب ترین نسبت رکھتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تصادم اور سخت ترین تصادم کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نکل ہی نہیں سکتا۔ اس لئے انکار یا شبہ کی گنجائش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن پندرہویں صدی میں قیامت آجانے کا جو قیاس علما نے ایک حدیث سے قائم کیا ہے وہ پذیرائی کا مستحق نہیں۔ آج تک جبکہ پندرہویں صدی کے آغاز میں کچھ زیادہ دیر باقی نہیں رہی ہے لیکن نہ صرف دجّال، امام مہدی اور حضرت عیسیٰؑ کا علما کے نقطۂ نظر سے کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا بلکہ اس سے بھی پہلے جن تاریخی واقعات کا سامنے آنا ضروری ہے وہ بھی آج تک منزلوں دور معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ کی کامیابیوں کے بعد بھی ایک وسیع اور عام تاریک دور کا آنا لازمی ہے تاکہ قیامت برپا کرنے کے لئے ایک "معقول وجہ" ہاتھ آسکے۔

علماء نے حقیقت یہ ہے کہ ان مسائل پر جن کا تعلق حیات مادی اور روحانی سے کچھ نہ تھا بہت ہی کم غور کیا ہے اور ترغیب و ترہیب یا فضائل و مناقب کی احادیث کو جس طرح بڑی حد تک جرح و قدح سے بے نیاز کر دیا گیا تھا ایسے ہی قیامت کی تاریخ اور اس سے وابستہ واقعات بتانے والی احادیث کو بھی سطحی نظر سے دیکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ شاہ صاحبؒ نے بھی ایسے غیر ضروری مسائل میں ان ہی کا اتباع کیا ہے۔ اور شاہ صاحب نے ہی نہیں بلکہ مجدد الف ثانیؒ نے بھی باوجود مکاشفہ کے ذریعہ کائنات کا تمام گذشتہ فلم دیکھ لینے اور یہ پتہ چلا لینے کے کہ ایک ہی حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

اس مسئلہ پر کہ دنیا کی پیدائش کو آٹھ ہزار سال سے زیادہ نہیں گذرے، غور نہیں فرمایا اور یہودی یا دوسرے قدیم محققین کے غلط قیاسی نظریہ کی ترجمانی پر اکتفا کرنے میں حرج محسوس نہیں کیا۔ کیونکہ معاش ومعاد سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہ تھا۔ بنا بریں آپ کو ہمارے مجدد سے "سوءظن" پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ ایک ایسی جائز کمزوری ہے کہ کوئی شخص اس سے بالاتر پرواز کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ علمی غور وفکر کے بعد بھی اگر ایک شخص غلط راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کی دماغی صلاحیت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ورنہ سطحی نگاہ سے دیکھتے ہوئے گذر جانا گناہ نہیں۔ زندگی کے ہر ذرہ پر انسانیت کا کوئی ستارہ روشنی نہیں ڈال سکتا۔ (باقی آئندہ)

رہنمائے قرآن

تالیف نواب سر نظامت جنگ بہادر۔ صداقت قرآنی اور تعلیماتِ اسلامی کی معقولیت وحقانیت پر یہ دلپذیر کتاب نواب صاحب موصوف نے انگریزی میں تصنیف فرمائی تھی۔ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی لنڈن بیرسٹر ایٹ لا پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اس کو اردو میں منتقل فرمایا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی صداقت کو سمجھنے کے لئے اپنے انداز کی یہ بالکل جدید کتاب ہے جو خاص طور پر غیر مسلم یورپین اور انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے لکھی گئی ہے جو حضرات قرآن، وحی، نبوت جیسے مسئلوں کو یورپ کے طریق خطاب میں سمجھنا چاہتے ہیں یہ کتاب ان کے لئے عجیب وغریب معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ اس کتاب میں اسلام کے بنیادی مسئلوں کی روح کو نہایت ہی حکیمانہ اور فلسفیانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے اسی کے ساتھ سادگی اور کمالِ لطافت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا

کتابت وطباعت نہایت اعلیٰ قیمت صرف ۶؍

مکتبہ برہان دہلی۔ قرولباغ